ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)

شخصیت ... فکر
ایک جائزہ

پروفیسر محمد عارف خان

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں، جنہوں نے علم و فکر کی دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے بعد علم و فکر کے افق پر جن چند افراد کا نام نمایاں ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان میں سرفہرست ہیں ۔ برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں ڈاکٹر صاحب کا شمار اہم ترین مفکرین میں ہوتا ہے۔

حالات زندگی:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱) ۱۹۰۴ء میں ریاست جموں کشمیر کے شہر جموں میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ ایف ۔ ایس سی نان میڈیکل میں، بی ۔ اے فارسی میں آنرز اور ۱۹۲۴ء میں ایم ۔ اے عربی میں کیا۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک سری پرتاپ کالج سری نگر میں عربی اور فارسی کے پروفیسر رہے۔ پرنس آف ویلز کالج جموں میں بھی ۱۲ سال تک تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے ۔ اس دوران (۱۹۴۲ء) میں انگریزی کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" لکھی۔ ڈاکٹر صاحب کا ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی یہی تھا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈاکٹر صاحب سری کرن سنگھ جی انٹر کالج میرپور جموں کشمیر کے پرنسپل رہے۔ تقسیم ہند کے ہنگاموں کی وجہ سے گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج میرپور بند ہو گیا تو ڈاکٹر صاحب لاہور منتقل ہو گئے۔ یہیں سے پاکستان کے حلقہ علم و ادب میں ان کا سفر شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۳ء لاہور میں محکمہ اسلامک ری کنسٹرکشن و انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر میں ریسرچ آفیسر رہے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک اقبال اکیڈمی کراچی

کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۶۵ء میں "فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن" پر مقالہ پیش کر کے ڈاکٹر آف لٹریچر کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک "ڈائریکٹر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس لاہور کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ ۱۹۶۹ء میں ۶۵ برس کی عمر میں کراچی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں داعی اجل کو لبیک کیا۔ اور سیالکوٹ میں دفن کیے گئے۔

ڈاکٹر صاحب درویش مزاج انسان تھے۔ طبیعت میں سوز و گداز تھا۔ ذکر خدا پر بہت زور دیتے تھے۔ سلسلہ طریقت میں مفتی محمد حسنؒ سے بیعت تھے۔ اپنی اصلاح و روحانی ترقی کیلئے اپنے مرشد سے باقاعدہ ہدایات لیا کرتے تھے۔ خود فرمایا کرتے کہ ذکر کی برکت سے بہت اچھے اچھے خیالات خود بخود سوجھتے ہیں اور معمولی سی کوشش سے علمی حقائق منکشف ہو جاتے ہیں اور انسان کیلئے تھوڑا سا مطالعہ بھی کفائت کر جاتا ہے۔

مفتی محمد حسنؒ اگر ڈاکٹر صاحب کے روحانی مرشد تھے تو علامہ اقبال ان کے فکری رہبر تھے۔ ڈاکٹر صاحب علامہ اقبال سے بے حد متاثر تھے۔ ان کی زندگی کے آخری دنوں کے ایک قریبی ساتھی مظفر حسین لکھتے ہیں۔ "علامہ اقبال کا ان سے بڑھ کر شیدائی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ فکر اقبال ان کے رگ و ریشے میں سما گیا تھا" (۲)

مقام اقبال پر اپنی شہرہ آفاق کتاب "حکمت اقبال" میں رقمطراز ہیں:

"وہ خاتم الانبیاء جنہوں نے نوع انسانی کو حقیقت کائنات کا کامل تصور عطا کیا ہے۔ جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ وہ فلسفی جس نے علمی حقائق کی ترقیوں کے اس دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوت کاملہ کے عطا کیے ہوئے کامل تصور حقیقت پر رکھی، اقبال ہے۔ اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو نبوت کے عطا کردہ کامل تصور حقیقت کی بنیادوں کو منظم کرتا ہے۔ فلسفہ خودی ہے۔" (۳)

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اقبال آئندہ کی مستقل عالمگیر ریاست کا وہ ذہنی اور نظریاتی بادشاہ ہے، جسکی بادشاہت کو زوال نہیں۔ ایک معمولی آدمی کیلئے جو رسول نہیں، بلکہ رسول صلعم کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔ عظمت کا یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ اس سے بلند تر مقام ذہن میں نہیں آ سکتا۔"

دائرہ ہائے تحریر و تصنیف:۔

ڈاکٹر صاحب نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا ۔ بنیادی طور پر انکی فکر و تحریر کا محور دور جدید میں اسلام کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے درپیش مشکلات کا تدارک تھا۔ وہ ایک سائنسی فارمولے کی دریافت کے آرزومند تھے' جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر و تشریح کرنے میں ممدومعاون ثابت ہو۔ اسلام کی تائید و حمایت اور باطل کی تردید ان کا موضوع رہا ہے۔ اسلامی عقائد و افکار کا فلسفیانہ محاذ پر دفاع ' نظریہ توحید کو افکار و علوم کی بنیاد قرار دینے ' فکر اقبال کی ترقی و ترویج' قرآنی علوم و تعلیمات کا جدید علوم سے موازنہ' باطل علوم کی تردید اور سچے علوم کی تصدیق ان کے دائرہ ہائے تحریر ہیں۔ ان کی تصانیف میں (۱) آئیڈیالوجی آف دی فیوچر' (۲) قرآن اور علم جدید (۳)اور "حکمت اقبال" اہم کتابیں ہیں۔ ان کتب کے بارے میں دیباچہ حکمت قرآن میں وہ خود رقمطراز ہیں:۔

> "جو احباب اقبال کے فلسفہ خودی کا یا اسلام کا مطالعہ ایک خالص اور منظم فلسفہ یا سائنس کے طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" کا مطالعہ مفید پائیں گے۔ اور جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اسلام کے ایک فلسفہ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ میری کتاب "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ دلچسپی کا باعث پائیں گے۔ اور جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اقبال کے حوالوں کی روشنی میں اقبال کے فلسفہ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ زیر نظر کتاب "حکمت اقبال" کا مطالعہ مدعا کے مطابق پائیں گے۔"

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی اردو میں لکھی گئی کتب میں (۴) پاکستان کا مستقبل (۵) روح اسلام ۔ (۶) اسلامی نظریہ تعلیم ۔ (۷) اسلام اور سائنس اہم کتب ہیں اور انگریزی زبان میں لکھی گئی اہم کتب درج ذیل ہیں۔

جبکہ (۸) ۔ *Manifesto of Islam*

(۹) ۔ *First Principles of Education*

(۱۰) ۔ *Fallacy of Marxism*

(۱۱) ۔ *The Meaning and Purpose of Islamic Research*

(۱۲) ۔ *Potencial Contribution of Islam to World Peace*

ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت ڈاکٹر موصوف کے فکری رجحانات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کی تعبیرو تشریح کا مسئلہ:۔

اسلام کی تعبیرو تشریح کا مسئلہ کیا ہے؟ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق کیا اسلام کی تعبیر و تشریح ممکن ہے؟ قرآن کیا اسکی اجازت دیتا ہے ۔ ؟ اگر اجازت دیتا ہے تو اسکی حدود کار کیا ہے؟ اگر اجازت نہیں دیتا تو اسلام ایک قابل عمل نظریہ حیات کی صورت میں قیامت تک کیلئے زندہ کیسے رہے گا؟ حکماء کے نزدیک یہ انتہائی اہم اور حساس موضوع ہے۔ حکماء کے نزدیک اس کا ٹھیک تعین نہ ہونے کی بنا پر امت مسلمہ ایک طویل عرصے سے انتہائی بے بسی میں اپنی بقا کی جدوجہد کر رہی ہے۔ جدید سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کے مقابلے میں امت مسلمہ شکست سے دوچار ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اس موضوع کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لے کر نہ صرف اس پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔ بلکہ اسلام میں جدید سائنسی فلسفیانہ نظریات کا مقام متعین کرنے کی ایک زبردست کوشش کی ہے۔ اس موضوع کی مناسبت سے ڈاکٹر صاحب کا نقطہ نظریوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسلام میں ارتقاء کا مقام۔

اسلام میں تعبیرو تشریح کا مسئلہ کائنات کے نظریہ ارتقاء سے منسلک ہے۔ اگر اسلام میں نظریہ ارتقاء درست ہے تو پھر بدلتے دور کے تقاضوں کے مطابق تعبیرو تشریح لازمی امر ہے۔ مسلم حکماء میں نظریہ ارتقاء کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں ۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اس عنوان پر قرآن اور جدید حکماء کے نظریات و خیالات پر بحث کی ہے ۔ انہوں نے نظریہ ارتقاء کے حق میں پر زور دلائل دیتے ہیں ۔ قرآنی نظریہ ارتقاء بیان کرنے سے قبل معروف مغربی مفکر ڈارون (۴) کا نظریہ ارتقاء ، میگڈوگل (۵) کا نظریہ جبریت، فرائڈ اور ایڈلر (۶) کا نظریہ شعور، کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت، (۷) میکیا ولی (۸) کا نظریہ وطنیت بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ برگساں (۹) کے نظریہ ارتقاء پر بھی بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نظریہ ارتقاء درست ہے۔ انہوں نے ڈارون کے نظریہ حقیقت ارتقاء کو قرآن کے مطابق درست قرار دیا ہے البتہ اسکے نظریہ سبب ارتقاء کو خلاف قرآن قرار دیا ہے (۱۰) ۔ نظریہ ارتقاء کے تین مرحلے بیان کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:۔

"۱۔ کائنات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس حالت تک جب وہ اس قابل ہوئی کہ اس میں زندگی کا ظہور ہو سکے۔

۲۔ پہلے زندہ حیوان کے ظہور سے لے کر نسل انسانی کے ظہور تک۔

۳۔ انسان کے ظہور سے لے کر انسان کی نفسیاتی تکمیل تک ۔ یہ مرحلہ اس وقت جاری ہے" (۱۱) قرآنی نظریہ ارتقاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حقیقت ارتقاء دنیا کے علمی مسلمات میں سے ہے اور قرآن اسکی مخالفت نہیں کرتا بلکہ تائید کرتا ہے"۔ (۱۲) اسلام کے قوانین و اصولوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ "کہ ایک حصہ ابدی اور کلی قوانین پر مشتمل انسان کی عملی زندگی کی تشکیل پر حاوی ہے۔ یہ حصہ غیر متبدل قوانین پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ اسلام کے معاشرے کے حالات کے مطابق ہمیشہ بدلتا رہتا ہے" (۱۳) زندگی کے اس حصے میں تغیر ارتقاء پذیر رہتا ہے۔ اس تغیر کا تقاضا ہے کہ اسلام کے اس ضمن میں اصول و قواعد کی تعبیر و تشریح ہوتی رہے۔ تاکہ زندگی کسی ایک مقام پر رک نہ جائے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اللہ تعالی کا منشا یہ نہیں کہ زندگی ایک ہی مقام پر جدوجہد کرتی رہے۔ بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ زندگی جدوجہد کر کے منبہ سطح پر قدم رکھے۔ پھر اس بلند سطح پر جم کر اگلی بلند سطح پر قدم رکھنے کی جدوجہد کرے۔ نظریہ ارتقاء کیلئے قرآن حکیم سے انہوں نے ۳۰ دلائل قائم کیئے انہیں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مقام ربوبیت نظریہ ارتقاء کی بنیاد ہے۔ الحمدللہ رب العلمین (سب تعریفیں اللہ تعالی کیلئے ہیں جو اہل عالم کا رب ہے) ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "کہ ربوبیت کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو ادنی حالت سے ترقی دے کر اعلی حالت تک پہچانا اور ارتقاء کے معنی کیا ہیں۔ یہی کہ کوئی چیز ادنی حالت سے ترقی کر کے اعلی حالت تک پہنچے "۔ گویا خدا کی ربوبیت کا نتیجہ ارتقاء ہے۔ ارتقاء کے ذریعہ سے ہی خدا کی تمام صفات کا ظہور ہوتا ہے اور خدا کی کوئی صفت ایسی نہیں جو ارتقاء کے مقاصد سے الگ ظہور پائے (۱۴)

۲۔ ھوالذی انشاء کم من الارض (اللہ وہ ذات پاک ہے، جس نے تمہاری نسل کو زمین

سے پیدا کیا ہے) زمین سے پیدائش کو ڈاکٹر صاحب نے نباتات کے رنگ میں قیاس کیا ہے۔ اور اسکی تائید میں یہ آیت بیان کی ہے۔

مالکم لا ترجون لله وقارا وقد خلقکم اطوارا (نوح - ۱۳ - ۱۴) واللہ انبتکم من الارض نباتا۔ (نوح - ۱۷)

ترجمہ (تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے وقار کے آرزومند نہیں ہوتے اور یقیناً اس نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے اور اس نے تمہاری نسل کو زمین سے اگایا ہے جیسے کہ اور چیزیں زمین سے اگتی ہیں۔) (۱۵)

۳۔ تیسری دلیل کو ڈاکٹر صاحب نے یوں بیان کیا۔ "نسل انسانی ہمارے سامنے موجود ہے۔ خدا تعالی کہتا ہے کہ ہم نے نسل انسانی کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ایک دن نسل انسانی نیست و نابود ہو جائے گی۔ اللہ تعالی کہتا ہے کہ ہم اسے دوبارہ زندہ کریں گے۔ (۱۶) گویا یہ سارا عمل ان کے نزدیک ایک تدریج و ارتقاء سے تعلق رکھتا ہے۔

۴۔ کائنات کی تخلیق بھی یکایک نہیں ہوئی' ڈاکٹر صاحب نے اس ذیل میں یہ آیت بیان کی ھوالذی خلق السموات والارض وما بینھما فی ستة ایام (الحدید-۴) (اللہ وہ پاک ذات ہے' جس نے کائنات کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔) (۱۷)

۵۔ کائنات کی ارتقائی حالت کا بیان کیا ہے۔ کائنات دھوئیں کے ایک بادل سے آگے بڑھی۔ اور چاند و سورج الگ ہوئے۔ زمین پر سمندروں کے پانی میں تمام انواع حیوانات کی زندگی کا آغاز ہوا۔ اسکی تائید میں وہ آیت قرآن " اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما وجعلنا من الماء کل شئی حی۔ (کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ زمین اور آسمان ملے ہوئے تھے اور ہم ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا اور پانی سے ہر جاندار کو زندہ کیا۔) (۱۸) (الانبیاء - ۳۰)

۶'۷۔ ڈاکٹر صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق زندگی کا آغاز سمندروں کے ساحل پر کیچڑ میں ہوا اور اسکی تخلیق کئی مدارج سے گزری تھی اور اس پر وقت صرف ہوا تھا ان کا کہنا ہے کہ قرآنی وضاحت کے مطابق مٹی یا کیچڑ سے تخلیق بشر کی ابتداء ہوئی ہے اور پھر اس کا جسم توالد اور تناسل کے ذریعے سے تدریجاً ترقی پا کر مکمل ہوا ہے۔ (۱۹)

۸۔ آٹھویں دلیل میں وہ قرآن کی آیت " ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین" (المومنون ۔ ۱۲)

(بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا) بیان کرتے ہوئے اسے ارتقاء اور اسکی حیاتیاتی نشوونما پر منطبق کرتے ہیں۔ (۲۰)

سورہ النساء کی آیت نمبر ا سے تخلیق زوج کو ارتقاء کے مرحلے سے منسلک کیا ہے۔ کیونکہ بصورت دیگر خدا تعالی حضرت آدم کے ساتھ ہی ہوا علیہ السلام کو پیدا کرنے پر قادر تھا۔ (۲۱)

۱۰۔ "اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق" (علق ۔ ا۔۲) (اس خدا کے نام سے پڑھ، جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جسم انسانی کے ارتقاء کی یہ ایک ابتدائی حالت ہے ۔ ان کے نزدیک اس آیت کے مضمون کا اطلاق جس طرح ایک فرد انسانی کی تخلیق پر ہوتا ہے۔ اسی طرح سے نسل انسانی کے ارتقاء پر بھی ہوتا ہے (۲۲)

ڈاکٹر صاحب نے مادی اور حیاتیاتی مرحلوں میں کائنات کے ارتقاء کو قرآن حکیم سے دس دلائل کے ذریعے حقیقت ارتقاء کائنات قرار دیا ہے۔ اس کے بعد قرآن سے یہی نفسیاتی ارتقاء (۲۳) کو ثابت کیا ہے ۔ آیت قرآنی "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (المائدہ:۳) (آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت پوری کر دی ہے) سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہدایت الہی نے بھی ارتقائی منازل طے کی ہیں ۔ پیغمبرانہ بعثت کو ارتقاء کا حصہ قرار دیتے ہوئے پیغمبرانہ تعلیمات اور پیغام کو بھی ارتقاء و تدریج کے اصولوں کے مطابق بیان کرتے ہیں ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نبوت کو چار ادوار کے تحت بیان کرتے ہیں:۔

پہلا دور (۲۴) جس میں ایمان لانے والوں کی تعداد ایک آدمی سے ارتقاء پذیر ہو کر ایک موثر گروہ کی صورت اختیار کر گئی۔

دوسرا دور جب پیغمبرانہ نظریات کے مقابلے میں دوسرے نظریات کا غلبہ ہونے لگا اور پیغمبرانہ نظریات کا حسن ماند پڑنے لگا۔

تیسرا دور جب نئے گروہ کی شمولیت سے مخالفت پیغمبرانہ نظریات پر غلبہ حاصل کیا۔

چوتھا دور جس میں پیغمبرانہ نظریات نے دنیا کے مخالفانہ نظریات پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اخوت انسانی کی بنیاد پر اتحاد انسانی کی بنیاد رکھی۔"

نفسیاتی ارتقاء کو قرآن سے ثابت کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مختلف اعتراضات (۲۵) جو اسلامی حلقوں سے وارد ہوئے ہیں ' کا جواب دیا ۔ اس کے علاوہ نظریہ ارتقاء پر اپنی کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" کے دو ابواب ' باب نمبر۲ اور باب نمبر۱۲ میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

اسلام میں فکر و تدبر کا مقام:۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے نظریہ ارتقاء کو قرآنی دلائل سے ثابت کرنے کے بعد دوسری اصولی بات پر بحث کی ہے ۔ کہ اسلام میں فکروفلسفے کا کیا مقام ہے؟ کیونکہ ارتقاء کی منازل فکروتدبر کی مرہون منت ہیں ۔ اسلام میں اس موضوع پر بھی دو آراء رہی ہیں ۔ بعض علماء کے نزدیک عقل و فلسفے کا دین میں کوئی مقام نہیں۔ جبکہ بعض کے نزدیک دین کو عام لوگوں تک لانے اور دوسرے مذاہب و ادیان کی خامیاں' ان پر برتری اور فوقیت کیلئے فکروفلسفے سے کام لینے میں حرج نہیں ہے؟ ڈاکٹر صاحب ان حکماء و مفکرین میں شامل ہیں' جو فکروتدبر کے ہتھیاروں کو پوری طرح حرکت میں لانے کے قائل ہیں ۔ ان کے نزدیک امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی کا بنیادی سبب فکر و تدبر کے ہتھیاروں کا استعمال نہ کرنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو اس قابل ہے کہ انسان اور کائنات کی ایک عقلی' علمی اور سائنسی تشریح کی صورت اختیار کر سکے ۔ لیکن اب تک ہم نے کونسا کام کیا ہے' جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا یہ عقیدہ فی الحقیقت درست ہے" (۲۶)

ڈاکٹر صاحب نے ان اعتراضات کو رد کیا ہے کہ دلائل اور براہین اس لئے بیکار ہیں کہ ان سے یقین پیدا نہیں ہوتا وہ رقمطراز ہیں:۔

"اگر انسان دلیل سے گمراہ ہو سکتا ہے تو دلیل سے ہدایت بھی پا سکتا ہے اور یہاں صورت حال یہی ہے کہ لوگ حکمت مغرب کے دلائل ہی سے گمراہ ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ دلائل ہی سے ہدایت پائیں گے" (۲۷)

ڈاکٹر صاحب اس دعوے کو پورے ایمان و یقین سے پیش کرتے ہیں کہ قرآن قیامت تک لئے حجت ہے۔ قرآن ہمیں قیامت تک کیلئے غلط فلسفیانہ تصورات کو فکرو تدبر اور دلیل و علم کی روشنی میں غلط ثابت کرنے کیلئے کفایت کرتا ہے ۔ ان کے نزدیک ہم اگر قرآن سے غلط فلسفیانہ تصورات کے رد کیلئے علمی دلائل و براہین اخذ نہیں کرسکتے تو اس سے قرآن کے قیامت تک کیلئے حجت ہونے پر حرف آئے گا۔

یہاں وہ حقائق قرآن کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

اول ۔ (۲۸) وہ حقائق جن کا ذکر لفظاً قرآن کے اندر موجود ہے۔

دوم ۔ وہ حقائق جو اول الذکر حقائق سے یا منطقی استدلال سے اخذ کیے جائیں گے۔

سوم ۔ وہ علمی حقائق (یعنی صحیح اور سچے علمی حقائق) جو انسان نے اپنی ذہنی کاوش و جستجو سے دریافت کیے ہوں۔

اس کے بعد ذہنی کاوش و علم (۲۹) کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ کہ ذہنی کاوش و علم کے بھی تین ہی پہلو حقیقت کائنات سے متعلق ہر شخص کے علم کی بنیاد ہیں ۔ یعنی ایک یہ کہ مشاہدات کی بنا پر قوانین قدرت کا علم حاصل کرنا' دوم اس علم کی بنا پر قانون یا حقیقت کائنات کا وجدانی تصور قائم کرنا اور تیسرے قوانین کائنات کے پورے سلسلے اس کے حلقوں کی تربیت کے ساتھ اس تصور کے مطابق سمجھنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سائنس دان (۳۰) وہ ہے جو پہلے کام کو دوسرے لوگوں کیلئے مہارت اور قابلیت سے انجام دیتا ہے۔ اور جو شخص دوسرے اور تیسرے کام کو دوسرے لوگوں کیلئے مہارت اور قابلیت سے انجام دیتا ہے' اسے حکیم یا فلسفی کہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تعلیم نبوت خود ایک فلسفہ ہے ۔ اس کے (۳۱) دو حصے ہیں ایک جو کائنات کے صحیح تصور اور کائنات کے ابدی قوانین پر مشتمل ہے ' جسے نظریہ کہنا چاہئیے۔ اور دوسرا سماج کے حالات کے مطابق اس نظریہ کے عملی اطلاق پر حاوی ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نبوت کے اندر ایک استدلال بالقوہ (۳۲) موجود ہے' جو حقائق قرآنیہ کی تفصیلات اور جزئیات کے علم کی ترقی سے آشکارا ہو رہا ہے ۔ حقائق کا یہی عقلی تعلق یا استدلال ہے جو صحیح ہے۔ "والقرآن الحکیم" (قرآن کی قسم' جو حکمت کی کتاب ہے یعنی حکیم (۳۳) خدا کے اسمائے

حسنی میں سے ہے ۔ فلسفی صداقت کی تلاش کرتا ہے کیونکہ صداقت ہی علمی و عقلی لحاظ سے درست ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے ۔ علم ذہنی (۳۴) کو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اس آیت کو بیان کرتے ہیں :۔ "والقلم ومایسطرون" (ہمیں قلم کی قسم ہے اور اس چیز کی جو لوگ تحریر میں لاتے ہیں۔) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق "دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ پس جہاں اسے مل جائے' اس کا زیادہ حقدار وہی ہے"۔ (ترمذی شریف) لیکن ڈاکٹر صاحب جہاں عقل و فلسفہ اور فکر و تدبر کو دین کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں' وہاں وہ اسے دین پر حاوی کر کے نہیں' بلکہ دین کے تابع قبول کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک دین کے وظائف کی تکمیل عقل و فلسفے اور فکر و تدبر کے بغیر ممکن نہیں ۔ انہوں نے اس خدشے کو' کہ کہیں ہم علم جدید کی کسی غلط صداقت کو قرآن کی صداقت سمجھ کر غلط اقدام کے مرتکب نہ ہو جائیں' رد کیا ہے ۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کام کو ہاتھ ہی نہ لگائیں اس کا حل وہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اگر ہم قرآن کی روح کو اپنا راہ نما بنائیں گے ۔ تو ان (دونوں صورتوں) میں غلطی سے محفوظ رہیں گے ۔ ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ علم جدید کی کوئی ایسی حقیقت جو عہد حاضر کے حکماء کے نزدیک علمی مسلمات میں شمار ہوتی ہے اور جو فی الواقع روح قرآن کے مطابق ہے ۔ تحقیقات سے غلط ثابت نہیں ہو سکتیں اور اس کے برعکس اسی قسم کی کوئی حقیقت جو آشکارا طور پر روح اسلام کے منافی ہے ۔ آخرکار تحقیقات سے صحیح ثابت نہیں ہوگی" (۳۵)

فکر و فلسفہ کی بنیادیں:۔

اسلام کی تعبیر و تشریح کیلئے دو بنیادی باتوں یعنی نظریہ ارتقاء اور اسلام میں فکروتدبر کا مقام' کے تعین کے بعد اسلام میں داخلی طور پر بنیادی نصب العین کی تحقیق و جستجو کو اپنے غور و فکر کی بنیاد بناتے ہیں ۔ وہ ایک ایسے مقصود کو نصب العین کے طور پر اپنانے اور ساری کائنات کو اسی مقصود کے حصول کیلئے حرکت کے قائل ہیں ۔ وہ اس بات کو انسان کی قوت محرکہ کیلئے ناگزیر سمجھتے ہیں کہ وہ ایک عظیم نصب العین کا سب سے پہلے تعین کرے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک وہ عظیم نصب العین توحید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے انہوں نے "نصب العین" کو اپنے فلسفہ کی بنیاد ٹھہرایا اور اس پر اپنی ساری تصانیف میں بحث کی ہے ۔ عظیم

نصب العین کیا ہے؟ صحیح اور غلط نصب العین کا تعین کیسے ہو۔؟ ان کے نزدیک (۳۶) زندگی کی قوتیں سیماب کی طرح ہیں ۔ اگر ان کی کوئی سمت متعین نہ ہو تو کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف لڑھک جاتی ہیں ۔ نصب العین فرد کی زندگی کا مرکز ہے ۔ جسکی طرف اس کی تمام قوتیں سمٹ کر آ جاتی ہیں ۔ نصب العین کی محبت کے بغیر ہم اپنی کسی اندرونی یا بیرونی قوت کو استعمال میں نہیں لا سکتے ۔ نصب العین ایک ایسی قوت ہے جس کے اثر سے ایک پوری قوم کے ہاتھ پاوں متحرک ہو جاتے ہیں اور سینکڑوں نگاہیں بیک وقت اپنا زاویہ بدل لیتی ہیں ۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے مقاصد نصب العین کے ذیلی اور ضمنی مقاصد ہوتے ہیں جو اسکی اعانت کیلئے پیدا ہوتے ہیں اور ہم ان کو نصب العین کی محبت اور کشش ہی کی وجہ سے اہمیت دیتے اور حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ گویا نصب العین کی محبت ہمارے تمام اعمال کی قوت محرکہ ہے۔

نصب العین کے تعین کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"جب سے انسان کو اپنے آپ کا شعور حاصل ہوا ہے' انسان ایک ایسے نصب العین کی جستجو میں مصروف ہے جس کے سامنے وہ مستقل طور پر اور اپنے دل کی پوری رغبت کے ساتھ اپنی والہانہ محبت اور خدمت اور اعانت اور ستائش اور پرستش کے نذرانے پیش کر سکے۔ یعنی ایک ایسا نصب العین جو حسن اور کمال کے بلند ترین اور دائمی اور ابدی اوصاف سے آراستہ ہو تا کہ اس کی محبت' انحطاط اور زوال اور مایوسی کے حادثات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہے۔" (۳۷)

ڈاکٹر صاحب نصب العین کے حسن و قبیح کو پرکھنے کیلئے چند اصول متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اسکی عمومی و خصوصی صفات بیان کرتے ہیں۔

عمومی خصوصیات : ۔ ۱۔ جو ہر اس نقص یا عیب سے پاک ہو' جس کا ہم انسان ہونے کی حیثیت سے تصور کر سکتے ہیں۔

۲۔ جس میں وہ تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود ہوں' جن کو ہم اپنی فطرت کے تقاضوں کی بنا پر عمدہ اور حسین اور قابل ستائش اور لائق محبت سمجھتے ہیں۔

خصوصی صفات:۔

۱۔ نصب العین کا حسن غیر محدود اور لازوال ہو ۔

۲۔ انسان خود زندہ ہے' اس لئے اس کا نصب العین بھی زندہ و متحرک ہو۔

۳۔ نصب العین اور اس کا حسن ہیشگی کی مکمل ضمانت سے ہو۔

۴۔ نصب العین ایسی قوت متحرکہ ہو' جو زندگی کے سارے احساسات سے مزین ہو'

۵۔ نصب العین صاحب قدرت و قوت ہو۔

۶۔ نصب العین کے اندر نیکی کے سارے اوصاف پوری طرح موجود ہوں'

۷۔ نصب العین بے نظیر اور بے مثال ہو ۔ اس کا ہمسر اور شریک نہ ہو۔

۸۔ نصب العین کائنات کی تخلیق کے مدعا کے مطابق ہو۔ (۳۸)

ڈاکٹر صاحب نصب العین کی تعریف' اسکی عمومی و خصوصی خصوصیات' اسکی ضرورت و اہمیت ' غلط اور صحیح نصب العین کی بحث کے بعد اس عظیم نصب العین کا اعلان کرتے ہیں ۔ یعنی عقیدہ توحید' خدا کی وحدانیت و یکتائیت ۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"خالص اور کامل عقیدہ توحید کے اندر تمام انسانوں کیلئے بے حد کشش اور جاذبیت ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ کوئی خارجی چیز نہیں' بلکہ خدا کی محبت کے ایک مستقل اور طاقتور جذبہ کی صورت میں انسان کی فطرت کے اندر موجود ہے۔" (۳۹)

عقیدہ توحید کو اپنا نصب العین قرار نہ دینے سے مسلمان جس بے چارگی اور بے بسی سے دوچار ہیں ۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کی بے چارگی اور بے بسی کا باعث یہ ہے کہ انہوں نے عقیدہ توحید کو مظاہر قدرت کے علم سے، جسے ان دنوں سائنس کا نام دیا جاتا ہے، الگ کر دیا ہے۔ اور اس طرح سے اپنے سب سے زیادہ طاقتور آلہ حرب و ضرب کو جو انھیں امن و جنگ دونوں حالتوں میں کام دیتا ہے، کند اور بیکار کر دیا ہے ۔ لھذا وہ دوسری قوموں کو عقیدہ توحید کی تبلیغ اور تعلیم سے مفتوح اور مغلوب کرنے سے عاجز ہیں ۔ بلکہ اس عاجزی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مفتوح اور مغلوب ہوتے چلے جاتے ہیں۔" (۴۰)

اسلام کی تعبیرو تشریح کے بنیادی اصول و شرائط:۔

ڈاکٹر صاحب نے انتہائی تدبر و کمال سے اسلام کی تعبیرو تشریح کو ناگزیر ثابت کیا ہے۔ ان کے نزدیک عقیدہ توحید بنیادی محور ہے۔ خدا کی محبت اور اسکی رضا مقصود انسانی ہے۔ اسے ہر دور میں حاصل کرنے کیلئے اس دور کے صحیح اور جائز طریقوں کو استعمال کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ ضروری بات واضح اور صحیح نصب العین کا تعین ہے۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر انہوں نے ایک ایسے فارمولے یا قواعد کی تشکیل کی کوشش کی ہے جسکی روشنی میں آمدہ حالات جدیدہ کو اسلام کے معین اصولوں کی روشنی میں تعبیرو تشریح کے عمل سے گزرا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے دو باتوں کو بنیاد بنایا ہے۔ ایک صداقت اور دوسری برائی ۔ ان کے نزدیک اس کائنات کا بنیادی کردار "انسان" ہے مذاہب کا بنیادی مقصد اصلاح احوال ہے تمام انبیاء و رسل سچائی کی تلقین و تبلیغ کرتے رہے اور برائیوں سے اجتناب برتنے کی تلقین کرتے رہے ۔ اس لئے اس اصول کو اپنا کر:

صداقتیں جہاں کہیں اور جب کہیں جنم لیں، وہ قرآن کا معنوی حصہ ہوں گی
برائیاں جب کہیں، جہاں کہیں جنم لیں گی، قرآن ان سے بے زار ہوگا (۴۱)

صداقتوں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ علمی صداقت ایک خوفناک آلہ حرب و ضرب ہے جو یا دشمن ہمارے خلاف اپنے کام میں لائے گا ۔ اور یا ہم دشمن کے خلاف اپنے کام میں لائیں گے ۔ ہمارے لئے پہلی صورت کا نتیجہ ہلاکت ہے اور دوسری صورت کا نتیجہ زندگی" (۴۲)

اسلام کی تعبیرو تشریح ایسا عمل نہیں جسے ہر کوئی سرانجام دے سکے ۔ ڈاکٹر صاحب اس

کیلئے چند لوازم کا تعین کرتے ہیں، جو تعبیر و تشریح کے عمل میں شریک لوگوں میں پائے جانے ضروری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

اول" (۴۳) وہ روح قرآن کے ساتھ پوری واقفیت پیدا کریں۔ دوم وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرز خیال و عمل سے پوری واقفیت پیدا کریں۔ سوم وہ علم کے تمام شعبوں سے واقفیت پیدا کریں۔ چہارم اپنی قوم کے علاوہ دوسری اقوام کے فضلاء و حکماء کی تحقیقات کو ذہن میں رکھیں۔ پنجم، وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے قرآنی حقائق کی طرف آئیں۔ ششم۔ کسی غلط تصور کی تردید کریں تو اسکی جگہ دوسرا تصور مہیا کریں۔ ہفتم۔ فلسفیانہ خیالات میں تردید سے بچیں۔

اسلام کی تعبیر و تشریح کی بنیاد پر جو صداقتیں سامنے آئیں۔ لازم ہے کہ وہ کڑی شرائط پر پوری اترتی ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کیلئے چند اصول بیان کیے ہیں:۔

۱۔ ایسی تعبیر و تشریح جو کسی علمی صداقت سے متصادم نہ ہو، بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح ہمنوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں نئی علمی صداقتیں منکشف ہوں، وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

۲۔ جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط و ضبط رکھتے ہوں .... یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے، جب اس کے تمام تصورات قرآن کے مرکزی اور بنیادی تصور یعنی عقیدہ توحید کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

۳۔ جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

۴۔ جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو .....

۵۔ جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکارا کر کے انھیں پاکیزہ اور شستہ بناتی ہو۔

۶۔ جو ہمیں احکام دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو۔ اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایسی تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔ (۴۴)

حوالہ جات

۱۔ "اسلامی تعلیم" آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس لاہور کا دوماہی مجلہ ۔ جلد ۲ شمارہ ۶ نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء مضمون نگار ۔ چوہدری مظفر حسین ۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نمبر۔ ص ۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۲

۳۔ ایضاً، ص ۲۱

۴۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "قرآن اور علم جدید" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع سوم ۱۹۵۹ء ص ۱۰۰

۵۔ ایضاً ص ۱۸۱ اس کے علاوہ اسی موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کتاب، "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" ص ۱۹۱ پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۸۳، ۳۳۸ یہی بحث "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" ص ۱۷۵ پر ملاحظہ ہو

۷۔ ایضاً، ص ۳۵۳، ایضاً، ص ۳۱۳

۸۔ ایضاً، ص ۵۲۰

۹۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" انگریزی دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ نظرثانی ایڈیشن ۱۹۹۰ء، ص ۱۹

۱۰۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "قرآن اور علم جدید" ص ۱۰۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۳۔ ایضاً، دیباچہ ص ف

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۲۴، ۱۲۵

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۲۴۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" انگریزی ۔ ص ۳۱۸

۲۵۔ ایضاً، "قرآن اور علم جدید" ص ۱۳۶

۲۶۔ ایضاً، "اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار" ص ۲۱۔

۲۷۔ ایضاً "قرآن علم جدید" ص ۴۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۸

۲۹۔ ایضاً، ص ۶۲

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۳

۳۱۔ ایضاً، ص ۶۹

۳۲۔ ایضاً، ص ۷۵

۳۳۔ ایضاً "اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار" ص ۴۴

۳۴۔ ایضاً "قرآن اور علم جدید" ص ۸۱

۳۵۔ ایضاً، ص ۸۴

۳۶۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "حکمت اقبال" ترجمہ ۔ ڈاکٹر ابصار احمد "حکمت قرآن" اگست ۱۹۸۸ء قسط ۱۳ ص ۴۶

۳۷۔ ایضاً، "منشور اسلام" ترجمہ ۔ ڈاکٹر ابصار احمد "حکمت قرآن" قسط ۲ ۔ شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء، ص ۴۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۴۲، ۴۳

۳۹۔ مظفر حسین (مدیر) "اسلامی تعلیم" (رفیع الدین نمبر) شمارہ ۶، جلد ۲، نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۷ (یہ غیر

مطبوعہ تحریر کی صورت میں اس رسالے میں دی گئی ہے)

۴۰۔ ایضاً، ص ۶

۴۱۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین "قرآن اور علم جدید" (دیباچہ ملاحظہ کیجئے) ص ب

۴۲۔ ایضاً، ص ۸۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۹۳

۴۴۔ ایضاً، (دیباچہ ملاحظہ کیجئے) ص ب